

قدر زر کے مختلف النوع تغیرات فقہی آراء کی روشنی میں

شاہ محی الدین ہاشمی ☆

اسلام کے قرون اولیٰ پر اگر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہو گا کہ اس دور میں کرنسی آج کے برعکس خاصی مستحکم تھی، تاہم بعض اوقات قدرتی اسباب کی بنا پر اس کی قدر (Value) متغیر بھی ہو جاتی تھی۔ چونکہ یہ تغیرات کسی مربوط نظام کے تابع نہ ہوتے تھے اور پھر یہ بھی کہ اس وقت زر سونے چاندی ہی کی شکل میں ہوتا تھا، اس لئے یہ تغیرات نہ تو وبائی شکل اختیار کرتے اور نہ ہی کسی ایک جہت میں رہنے پہ پابند ہوتے تھے۔^(۱) یہی وجہ ہے کہ زر کی قدر میں یہ معمولی فطری کمی بیشی اس وقت کے رائج الوقت معاشی نظام کی ساخت میں کسی بڑی تبدیلی کا باعث نہیں بنتی تھی۔ قدر زر میں ایسے ہوش ربا تغیرات کے واقعات گزشتہ صدیوں میں نہیں ملتے جن کی دور حاضر کی صورت حال کے ساتھ تطبیق ہو سکے۔ تاہم اس کے باوجود بھی کچھ ایسے واقعات و روایات اور نظائر و شواہد ضرور موجود ہیں جن سے عصری مسائل و حادثات میں خاصا استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے ایک روایت ہے، آپؓ فرماتے ہیں کہ بکر بن عبداللہ مزیٰ اور مسروق الجمہلی نے ان سے اپنے مزدوروں کی بابت سوال کیا کہ ان کے ذمہ مزدوروں کے کچھ دراہم ہیں مگر ان کے پاس صرف دینار ہی موجود ہیں تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

”اعطود بسعر السوق“^(۲)

ابن عمرؓ ہی سے مروی ایک دوسری روایت سے بھی یہی ہدایت ملتی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ آنحضرتؐ نے دراہم و دنانیر کے باہم اختلاف کے ساتھ لین دین کو درست قرار دے

☆ اسٹنٹ پروفیسر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کر یہی شرط عائد فرمائی کہ اس دن کے بازاری نرخ کی رعایت کی جائے۔ ان روایات سے پتا چلتا ہے کہ دور نبویؐ و عصر صحابہؓ میں بھی مارکیٹ کے بھاؤ بدلتے رہتے تھے۔

عہد نبوی کے بعد کے ادوار میں جب فلوس (۳) کا استعمال شروع ہوا اور کھوٹ والے درہم و دینار کا چلن ہوا تب قدر زر کے تغیرات کا اثر محض انفرادی نہ رہ سکا، بلکہ عام معاشرے پر بھی اس کے اثرات پڑنے لگے۔ جنگوں اور دیگر سیاسی اضطرابات کا وقوع، اشیاء کی قیمتوں اور زر کی قوت خرید میں کمی بیشی کا موجب ہونے لگا۔ ۷۳ھ میں خلافت عبدالملک بن مروان کے عہد میں غالباً پہلی مرتبہ اس طرح کا تغیر واقع ہوا جب خلیفہ نے عراق میں اسلامی سکوں کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ اس سے قبل وہاں رومی دینار اور کسروی دراہم استعمال کیے جاتے تھے (۴)۔

بعد کے زمانے میں یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا اور مختلف مواقع میں نفور کی قیمتوں میں تغیرات واقع ہوتے رہے۔ یہاں زیادہ تفصیل کا موقع اور گنجائش نہیں ہے (۵)۔

مختلف تاریخی ادوار میں حکومتیں ان تغیرات کے نتیجے میں اقتصادی و سیاسی مشکلات سے دوچار رہیں۔ بالخصوص خلافت عثمانیہ میں دسویں صدی ہجری کے دوران ان مشکلات و مسائل میں خاصا اضافہ ہو گیا اور زر کے روزمرہ قدری تغیرات، بیوع آجلہ وغیرہ کے سلسلے میں کئی طرح کے اشکالات پیدا کرنے لگے جن کی طرف اس زمانے کے فقہی فتاویٰ میں اشارات ملتے ہیں (۶)۔

حقیقی زر کے تغیرات:

یہ امر تو بالکل عیاں ہے کہ زر حقیقی اپنے استقرار قدر کے اعتبار سے ہمیشہ کاغذی زر سے ممتاز رہا ہے۔ اور سخت کساد کے حالات میں بھی سونے چاندی اور ان کے سکوں کی قیمت میں کوئی بڑی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور اگر ان کی قیمت میں کوئی بڑی تبدیلی واقع بھی ہو جائے تب بھی باعتبار جنس ان کی افادیت برقرار رہتی ہے۔ اسی بنا پر فقہاء نے ادائیگیوں وغیرہ میں حقیقی زر کے تغیرات کا اعتبار نہیں کیا اور یہ تسلیم کیا کہ چاہے اس کی قوت خرید کم یا زیادہ ہو جائے، یا حاکم وقت اس کے رواج پر بالکل پابندی عائد کر دے تب بھی اس کے اثرات ادائیگیوں پر مرتب نہیں ہوں گے (۷)۔

قانونی زر کے تغیرات:

ائمہ اربعہ کے ادوار میں قانونی زر، کانڈی نوٹ کی شکل میں نہیں تھا بلکہ اس زمانے میں "فلوس" نامی کرنسی قانونی زر کے طور پر رائج تھی۔ آج کے کرنسی نوٹ کی طرح ان فلوس کی حقیقی قدر بھی ان کی قانونی قدر کے مقابلے میں کم ہوتی تھی۔

فقہاء امت نے فلوس کے تغیرات کے فقہی اثرات میں اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف کا مرجع دراصل فلوس کی حقیقت (Nature) کے تعین میں اختلاف ہے۔ بنابرین فقہاء نے فلوس کی قدر میں تغیرات کے مختلف حالات کے لئے مختلف احکام ذکر کیے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(الف) کساد کی حالت:

"کساد" لغت میں کسی چیز کے عدم رواج کو کہتے ہیں جو اس چیز میں لوگوں کی دلچسپی میں کمی یا ترک رواج کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں شر میں کرنسی کے رواج کے متروک ہو جانے کو کساد کہا جاتا ہے (۸)۔

اگر کوئی شخص معلوم اور معین قیمت پر کوئی چیز خریدے یا کسی سے قرض لے یا اس کے ذمہ موجد مل مر آ جائے لیکن ادائیگی سے قبل ہی رائج کرنسی کساد کا شکار ہو جائے تو مدیون (Debtor) پر کیا واجب ہوگا؟ اس بارے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔

پہلا مذہب:

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ معاملہ بیع میں قیمت کی ادائیگی سے پہلے اگر فلوس کاسد ہو جائیں اور لوگوں میں رائج نہ رہیں تو بیع فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے کہ فلوس کے ترک رواج سے اب ان کی حیثیت ثمن کی نہیں رہی لہذا یہ بیع جو کہ اب بلا ثمن ہے فاسد ہو جائے گی اور خریدار کو وہ مال واپس کرنا ہوگا۔ صاحب بدائع لکھتے ہیں:

"ولو اشتری بفلوس نافقة ثم كسدت قبل القبض ' انفسخ عند أبي حنيفة وعلى

المشتري رد المبيع ان كان قائما و قيمته او مثله ان كان هالكا۔ (۹)

(یعنی اگر فلوس بوقت معاہدہ بیع رائج تھے مگر ادائیگی سے پہلے کاسد ہو گئے تو امام

ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ معاہدہ فسخ ہو جائے گا۔ اب خریدار کے پاس اگر وہ خریدا ہوا مال موجود ہے تب تو اسے اسی کی واپسی کرنا ہوگی اور اگر وہ موجود نہیں تو اس کی قیمت یا اس کا مثل دینا ہوگا۔

جہاں تک معاملہ قرض یا مہر موجد کا تعلق ہے تو اس صورت میں مدیون (Debtor) کے ذمہ انہی فلس کی ادائیگی لازم ہوگی جو معاہدے میں طے پائے تھے اگرچہ اب وہ کاسد ہو چکے ہوں (۱۰)

دوسرا مذہب:

امام ابو یوسف و امام محمد (۱۱)، حنابلہ (۱۲) اور بعض مالکیہ (۱۳) کا مسلک یہ ہے کہ فلس کے کاسد ہونے سے بیع باطل نہیں ہوتی اور نہ ہی خریدار کو مثل کی واپسی کا اختیار رہتا ہے بلکہ اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ رائج کرنسی میں ان فلس کی قیمت ادا کرے جن پر معاہدہ ہوا تھا۔ صاحب البدائع امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے مسلک کا اختلاف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"فلس کے کساد کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک بیع فاسد ہو جاتی ہے اور خریدی ہوئی چیز کی واپسی ضروری ہوتی ہے یا اگر وہ چیز ضائع ہو جائے تو اس کی قیمت یا مثل لوٹانا ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک ایسی بیع باطل نہیں ہوتی البتہ بائع کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو بیع کو فسخ کر دے اور چاہے تو فلس کی قیمت کا مطالبہ کرے۔" (۱۴)

صاحب بدائع نے صاحبین کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"کساد اصل میں ثمن کا ہلاک ہونا نہیں ہے بلکہ یہ کرنسی میں عیب کا وقوع ہے، جس سے بائع کو فسخ بیع یا فلس کی قیمت وصول کرنے کا اختیار مل جاتا ہے۔ نیز مدیون (Debtor) پر مثل کی واپسی لازم ہو جاتی ہے مگر چونکہ کساد کی وجہ سے مثل باقی نہیں رہا لہذا اب فلس بجائے ثمن کے عروض بن گئے چنانچہ اب قیمت ہی ادا کی جائے گی۔ یہ بعینہ ایسا ہی ہے کہ کوئی کسی مثلے کا قرض لے اور ادائیگی سے قبل ہی وہ نایاب ہو جائے۔" (۱۵)

اس قول کے قائلین بیع کی طرح معاملات قرض اور مؤجل ادائیگیوں میں بھی یہی نقطہ نظر رکھتے ہیں کہ کساد کی وجہ سے مثل صوری (Similar in face) کی واپسی درست نہیں،

اس لئے کہ قرض خواہ نے مقروض کو ایک ایسی شے دی تھی جو حامل منفعت تھی۔ اب اسے ایک بے کار اور بے فائدہ شے واپس کرنا یقیناً ظلم ہوگا۔ ابن قدامہ کہتے ہیں:

"اگر قرض فلوس کی شکل میں ہو اور حاکم ان کے رواج پر پابندی لگا دے تو مقروض کو فلوس کی قیمت اداء کرنا ہوگی، اس لئے کہ ثمن میں جو عیب واقع ہوا ہے وہ مقروض کی ملکیت ہی میں ہوا ہے۔" (۱۶)

آگے یہ مسئلہ کہ قیمت کس وقت کی متعین ہوگی، اس سلسلے میں امام محمد نے (۱۷) دیگر حضرات سے اختلاف کیا ہے۔ آپ کے ہاں مقروض پر وہ قیمت (یعنی قرض کی کاسد رقم کی) لازم ہوگی جو بوقت کساد تھی، جب کہ امام ابو یوسف وغیرہ کے نزدیک جو قیمت بیع کے وقت تھی وہ ادا کی جائے گی۔ (۱۸)

(ب) انقطاع کی حالت:

انقطاع زر کا مفہوم یہ ہے کہ بازار سے کرنسی مفقود ہو جائے اور کہیں دستیاب نہ رہے۔ (۱۹)

اگر کوئی شخص ایک معین قیمت پر کوئی چیز خریدے یا کسی سے قرض لے مگر ادائیگی سے قبل ہی وہ نقد منقطع ہو جائے تو اس حالت کے حکم میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ حنابلہ اور امام محمد (۲۰) کی رائے یہ ہے کہ انقطاع کی صورت میں خریدار اور دیون (Debtor) کو قیمت ادا کرنا ہوگی اور انقطاع نقد سے متصلاً قبل کے وقت کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ احناف کے ہاں یہی قول مفتی بہ ہے (۲۱)۔

اس نقطہ نظر کی بنیاد اور دلیل یہ ہے کہ چونکہ دین (Debt) کا مثل سے قیمت کی طرف انتقال (Conversion) بوقت انقطاع ہی ہوتا ہے (۲۲) اس لئے درست یہی ہے کہ اسی وقت کو معتبر سمجھا جائے۔

امام ابو یوسف کا بھی یہی مسلک ہے البتہ ان کے نزدیک اس دن کی قیمت پر فیصلہ ہوگا جس دن فریقین کا باہمی معاہدہ طے ہوگا اس لئے کہ اسی وقت دین واجب ہوا تھا۔ (۲۳)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک انقطاع بھی کساد کی طرح فساد عقد کا موجب ہے۔ (۲۴)

(ج) گرائی اور ارزانی کی حالت:

کافذی زر کی قوت خرید میں عام طور پر کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جسے فقہاء نے "غلاء و رخص" (گرائی و ارزانی) کا نام دیا ہے۔ ایسا عام طور پر حکومت کی زرعی پالیسی کی بنا پر اور کبھی کبھی دیگر عوامل کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔

موجل ادائیگیوں کے معاہدات میں معاہدہ طے پانے اور قیمت کی ادائیگی کی درمیانی مدت میں اس حالت کے وقوع سے متعاقبین (Contractors) کے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ اس مسئلے میں فقہی آراء مختلف ہیں کہ ادائیگیوں پر رخص و غلاء کے اثرات کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟

پہلا مذہب:

جمہور فقہاء (امام ابوحنیفہ (۲۵)، مالکیہ (۳۶)، شافعیہ (۴۷) اور حنابلہ (۲۸) کے نزدیک "رخص و غلاء" کا ادائیگیوں میں اعتبار نہیں ہوگا بلکہ جتنی کرنسی کا معاہدہ ہوا تھا وہی بغیر کمی بیشی کے اداء کی جائے گی۔ (۲۹) ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ:

واما رخص السعر فلا يمنع ردھا، سواء كان كثيرا مثل ان كانت عشرة بدائق فصارت
عشرين بدائق۔ او قليلا، لانه لم يحدث فيها شيئا، انما تغير السعر، فاشبه الحنطة، اذا
رخصت او غلت۔ (۳۰)

(قیمتوں میں کمی چاہے زیادہ ہو یا کم، اس کا ادائیگی پر اثر نہیں پڑے گا۔ اس لئے کہ صرف قیمت بدلی ہے، زر (یا کوئی بھی جنس جس کی ادائیگی کرنی ہے) وہ بحالہ قائم ہے۔ اس کی مثال گندم کی ہے کہ وہ منگی سستی ہوتی ہے (مگر ادائیگی اگر گندم کی ہو تو اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی)

دسوقی (۳۱) صاحب مدونہ (۳۲)، اور سیوطی (۳۳) نے بھی اس سلسلے میں جو تصریحات کی ہیں وہ یہی ہیں کہ اگر فلوس کی قیمت بڑھ جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے، اس کا عقد پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ اسی بات کی وضاحت حنبلی مسلک کے "مجلۃ الاحکام الشرعیۃ" میں بھی کی گئی ہے کہ تمام قرضوں، قیمتوں، اجرتوں اور نفع و حق وغیرہ کے عوض میں (جب کہ وہ موجل ہوں)

یہی حکم ہوگا (۳۳)

دوسرا مذہب:

امام ابو یوسف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ موجد مالی معاہدوں میں فلوس کے "رخص و غلاء" کا اعتبار ہوگا۔ چنانچہ اگر معاملہ قرض کا ہے تو قبضے کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور اگر خرید و فروخت کا معاملہ ہو تو معاہدے کے وقت کی قیمت معتبر سمجھی جائے گی۔ (۳۵) علماء حنفیہ اسی مسلک پر فتویٰ دیتے ہیں۔ (۳۶)

ابن عابدین "مستی" سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب قبضے سے قبل فلوس کی قیمت کم یا زیادہ ہو جائے تو ابو یوسف کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں میرا اور ابو حنیفہ کا ایک ہی قول ہے کہ قرض خواہ کو وہی فلوس واپس ہوں گے۔ پھر ابو سف نے اس قول سے رجوع کر لیا اور یہ مسلک اختیار کیا کہ مقروض پر قیمت لازم ہوگی..... احناف کے ہاں اسی قول پر فتویٰ ہے۔ (۳۷)

امام ابو یوسف کے نزدیک اس نقطہ نظر کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ فلوس کی ثمنی حیثیت محض لوگوں میں ان کی رواج پذیری کے باعث ہی ہوتی ہے۔ اب اگر لوگوں کا رواج ہی بدل جائے یا ان کے رواج کی کیفیت میں تبدیلی آجائے تو اصولاً اس تغیر کی رعایت کرنی چاہئے۔

بعض ماکلیہ نے اس سلسلے میں یہ نقطہ نظر اختیار کیا ہے کہ اگر فلوس کی قدر میں زیادہ تغیر واقع ہو جائے تب تو مدین پر قیمت واجب ہو جائے گی۔ لیکن تغیر اگر معمولی نوعیت کا ہو تو پھر مثل ہی واپس کرنا ہوگا (۳۸)۔ رہونی نے ماکلیہ کے قول مشہور (۳۹) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"میرے خیال میں مناسب یہ ہے کہ مثل کی واپسی کی تنقید وہاں کی جائے جب قدر میں معمولی سا تغیر ہو۔ کیونکہ کساد نقد میں قول مشہور کے قائلین نے جس علت سے استدلال کیا ہے (کہ چونکہ قرض خواہ ایک حامل منفعت شے دیتا ہے، اس لئے ادائیگی میں اسے ایک غیر منفعت بخش چیز دنیا ظلم ہوگا) وہی علت یہاں بھی موجود ہے۔" (۴۰)

حاصل کلام یہ ہوا کہ احناف کے ہاں زر کی قدر وقتی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ فقہ حنفی میں

مسلک ابو یوسف (جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے) کی رو سے 'عقد (یا قبضے) اور ادائیگی کے مابین وقت میں قیمتوں کے اختلاف کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور "رخص و غلاء" کے حالات میں قیمت کی ادائیگی ہی قرین عدل و انصاف ہے۔

افراط زر کے مفاسد اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نا انصافیوں کی وضاحت زر کی تائین قدر کی شرعی تعلیمات اور اس سلسلے میں فقہی آراء کی تفصیل اس سے قبل شائع ہونے والے مقالات اور پیش نظر مقالے میں گذر چکے ہیں۔ ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کے نظام عدل میں ان برائیوں کی کوئی گنجائش نہیں جو افراط زر کا بالعموم نتیجہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ مختلف دلائل شرعیہ اور فقہی موبدات کی روشنی میں تجویز کیا گیا ہے کہ دور حاضر کے زر اعتباری کو بجائے ظاہری قدر (Face Value) کے قوت خرید (Purchasing Power) کے ساتھ منسلک کیا جائے۔

عصر حاضر کے کچھ علماء کرام اشاریہ کی سکیم کے خلاف ہیں اور اسے سودی نظام کا حصہ بتاتے ہیں۔ ان کے اس نقطہ نظر کا مبنی چند اصولی اعتراضات ہیں جو اس سکیم پر کیے جاتے ہیں۔ قرضوں کی اشاریہ بندی پر ہونے والے اعتراضات اور ان کا تفصیلی جائزہ "فکرو نظر کے اگلے شمارے میں ان شاء اللہ منظر عام پر آئے گا۔

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ یعنی اگر آج زر کی قدر میں کچھ کمی ہوئی ہے تو کل صورت اس کے برعکس ہوگی ایسا نہیں کہ قدر مسلسل ہی گرتی رہے اور بڑھنے کی نوبت نہ آئے۔
- ۲۔ محمد شمس الحق آبادی "عون المعبود"، شرح سنن ابی داؤد: ج ۹، ص ۲۰۳۔
- ۳۔ تانبے سے بنے ہوئے سکے جو درہم اور دیناروں کے ساتھ ساتھ امدادی کرنسی کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔
- ۴۔ بلا ذری، ابو الحسین، "فتوح البلدان": بلا ذری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۹۸ء، ص ۳۵۲۔
- ۵۔ اس باب میں اہم معلومات کی تفصیل حاصل کرنے کے لئے حسب ذیل حوالہ جات سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

(i) "المعيار العرب والجامع المغرب": امام احمد بن يحيى الوثيري، دار الغرب الاسلامي، ۱۴۰۱ھ، بيروت۔

(ii) "الحاوي للفتاوى": السيوطي، دار الفكر، بيروت

(iii) "ابناء الغمربا بناء العزم": احمد بن حجر العسقلاني، مجلس دائرة المعارف العثمانية، ۱۳۷۸ھ، الهند

(iv) "النقود ولائتمان في البلاد العربية": د. عصام يوسف عاشور، ۱۹۶۲ء، مصر۔

۶۔ اس مسئلے اور موضوع سے متعلق سب سے پہلی قابل ذکر تحریر غالباً خطیب ترمذی، محمد بن عبد اللہ بن احمد (۹۳۹-۱۰۰۳ھ) کی ہے جو "بذل المجهود في مسألة تغيير النقود" کے نام سے موسوم ہے۔ بعد کے فقہاء کی اس سلسلے میں تحقیقات کا جتنی بھی یہی تحریر بنی۔ تیرہویں صدی ہجری کے اوائل (۱۲۱۶ھ) میں شیخ عبد القادر الحسینی نے ایک رسالہ بعنوان "رسالہ فی تراجع سعر النقود بالامر السلطانی" لکھا جو اس باب میں ایک اہم تحریر ہے۔ بعد ازاں ۱۲۳۰ھ میں ابن عابدین نے ایک رسالہ تحریر کیا جس کا نام "تنبيه الرقود على مسائل النقود" ہے۔

۷۔ (i) ابن عابدین، تنبيه الرقود على مسائل النقود: د۔ ن، ت۔ ن، ج ۲، ص ۶۳، ۶۶۔

(ii) قدری ہاشا، "مرشد الخیران": ۳۰۵۔

(iii) السيوطي، جلال الدين، "قطع الجارل": (مطبوع ضمنًا لحاوي للفتاوى) مكتبة التجاربية الكبرى، القاهرة، ط ۳، ۱۹۵۹ء، ج ۱، ص ۹۷ و ما بعد۔

(iv) عيش، محمد، "منج الجليل": المطبعة الكبرى، ۱۲۹۳ھ، ج ۲، ص ۵۳۴۔

(v) محمد بن احمد، "حاشية الرهوني": رهوني، المطبعة الاميرية، بولاق، ۱۳۰۶ھ، ج ۸، ص ۱۱۸۔

(vi) منصور بن يوسف، "كشف القناع": بهوتي، مطبعة الحكومة، مكة، ۱۳۹۳ھ، ج ۳، ص ۳۰۱۔

(vii) ابن قدامه، عبد الله، "المغني": دار الكتاب العربي، بيروت، ۱۳۹۲ھ، ج ۴، ص ۲۰۷۔

(viii) ابو البركات، "المحرر": مطبعة السنة المحمدية، د۰ ت، ج ۱، ص ۳۳۵۔

۸۔ "تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق": المطبعة الاميرية، بولاق، ۱۳۱۳ھ، ج ۴، ص ۱۳۳۔

۹۔ كاساني، علاء الدين، "البدائع": مطبعة الجمالية، القاهرة، ط ۱، ۱۳۲۸ھ، ج ۷، ص ۳۲۴۳۔

(i) ايضا وما بعد

(ii) "تبيين الحقائق": ج ۴، ص ۱۳۲

- ۱۲- (i) "کشاف القناع": ج ۳، ص ۳۰۱۔
- (ii) "الشرح الکبیر علی المفتی": ج ۴، ص ۳۵۸۔
- ۱۳- (i) "حاشیہ الرضوی": ج ۵، ص ۱۲۰۔
- (ii) "حاشیہ المدنی": محمد بن احمد، المطبوعه الامیریہ، بولاق، ۱۳۰۶ھ، ج ۵، ص ۱۱۸۔
- ۱۴- "البدائع": ج ۷، ص ۳۲۴۴۔
- ۱۵- ایضاً۔ ص ۳۲۴۵۔
- ۱۶- "المغنی": ج ۴، ص ۳۶۵۔
- ۱۷- بعض حنابلہ بھی اسی قول کے قائل ہیں۔
- ۱۸- "درر الحکام شرح مجلہ الاحکام": ج ۳، ص ۹۴۔
- ۱۹- علماء فقہ نے لکھا ہے کہ:
- "هو ان لا يوجد في السوق، وان كان يوجد في يد الصرافة وفي البيوت: (تبيين الحقائق: ج ۴، ص ۱۳۳)۔ "تنبيه الرقود": ج ۲، ص ۶۰)
- (یعنی انتظار یہ ہے کہ نقد بازار میں دستیاب نہ رہے اگرچہ وہ سناڑوں کے ہاں یا گھروں میں پایا جاتا ہو)
- کساد لوگوں کی نقد میں قلت رغبت، اس کے ترک تعامل یا حاکم کے اس بین کر دینے کی صورت میں ہوتا ہے جب کہ انتظار یہ ہے کہ نقد سرے سے دستیاب ہی نہ رہے اور بازار میں نایاب ہو جائے چاہے لوگوں کی رغبت، بھی اسی طرح ہو اور ترک تعامل کی نوبت نہ آئی ہو۔
- ۲۰- "الشرح الکبیر علی المفتی": ج ۴، ص ۳۵۸۔
- (i) "تبيين الحقائق": ج ۴، ص ۱۳۲۔
- (ii) "تنبيه الرقود": ج ۲، ص ۵۹۔
- ۲۲- "شرح فتح القدير": ج ۵، ص ۳۸۳۔
- ۲۳- "تبيين الحقائق": ج ۴، ص ۱۳۲۔
- ۲۴- ایضاً۔

- ۲۵- "تنبيه الرقود": ج ۲، ص ۶۰
- ۲۶- (i) "حاشیه الرهونی": ج ۵، ص ۱۲۱
- (i) "شرح الزرقانی علی غلیل": زرقانی، المطبعة البعیت، مصر، ۱۳۱۷ھ، ج ۵، ص ۶۰
- ۲۷- "قطع الجادله": ج ۱، ص ۹۷-۹۹
- ۲۸- (i) "الشرح الكبير علی المفتی": ج ۴، ص ۳۵۸
- (ii) "شرح متھی الارادات": ج ۲، ص ۲۲۶
- ۲۹- امام ابو یوسف کا بھی پہلے یہی مسلک تھا مگر انہوں نے بعد میں اس سے رجوع کر لیا۔
- ۳۰- "المفتی": ج ۴، ص ۳۶۵
- ۳۱- "حاشیۃ الدسوقی": الدسوقی، شمس الدین، دار احیاء الکتب العربیہ، البابی الحلبي، مصر، ج ۳، ص ۴۵
- ۳۲- "منقول از منخ الجلیل": ج ۲، ص ۵۳۵
- ۳۳- "قطع الجادله": ج ۱، ص ۹۷
- ۳۴- "مجلد الاحکام الشرعیہ": مادہ ۷۵۰
- ۳۵- "تنبيه الرقود": ج ۲، ص ۶۰-۶۳
- ۳۶- ایضاً - ص ۶۰، ۶۱
- ۳۷- (i) "حاشیۃ ابن عابدین": ج ۴، ص ۲۴
- (ii) "کنیۃ الرقود": ج ۲، ص ۵۸
- ۳۸- "حاشیۃ الدننی": ج ۵، ص ۱۱۸
- ۳۹- جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے جس کی رو سے تغیر نقد کے باوجود بھی مثل کی ادائیگی واجب ہے۔
- ۴۰- "حاشیۃ الرهونی": ج ۵، ص ۱۲۱